لمعۃُ الاعتقاد

تالیف

امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ

تحقیق و تعلیق

عبد القادر ارناؤوط

اُردو ترجمہ

ابو المکرّم بن عبد الجلیل

نام کتاب	:	لمعۃ الاعتقاد
مولف	:	امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسیؒ
مترجم	:	ابوالمکرّم بن عبدالجلیل
صفحات	:	۸۸
ناشر	:	الدارالسّلفیہ، ممبئی۔

فہرست

بسم الله الرحمن الرحیم

عرض ناشر

عقیدۂ توحید رأس الطاعات ہے، یہ دین کی پہلی بنیاد ہے، انبیاء کرام کی دعوت کی ابتداء اور انتہاء توحید ہے، آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کلمۂ لاالہ الا اللہ سے کیا تھا، فرمایا یاایھا الناس قولوا لاالہ الا اللّٰہ تفلحوا "لوگو! اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نجات پاؤ گے"۔

توحید کے بعد ہی آپ نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی فرمایا: قل یایھا الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملك السمٰوٰت والارض، لااله الا هو یحی ویمیت (الاعراف:۱۵۸)

"کہہ دو اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی ملکیت آسمان اور زمین ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگانی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے"۔

توحید ورسالت اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے اس عقیدے پر دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا اور اپنے اعضاء وجوارح سے اس پر عمل کرنا ہی اسلام کی بنیاد ہے اس کے بعد ہی تمام اعمال وطاعات قبول کیے جاتے ہیں۔

توحید جتنا اہم علم ہے اتنا ہی اس کا سیکھنا اور اس پر کاربند رہنا بھی مشکل

ہے، جو لوگ اعمال صالحہ پر مبالغہ کی حد تک عمل کرتے ہوں اور اپنے نامۂ اعمال میں پہاڑ جیسی نیکیاں لکھوالیں لیکن جب تک توحید میں پختہ اور مستحکم نہیں ہوں گے ان کے اعمال کا ایک ذرہ بھی قبول نہیں ہو گا، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا: اولئك الذين كفروا بايٰت ربهم ولقائه فحبطت اعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيمة وزنا (الكهف: ١٠٥) "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کیلئے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔

اس کتاب کا مرکزی موضوع توحید اور اس کے متعلقات کا تفصیلی ذکر ہے، توحید کی تینوں قسموں توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جو بلاشبہ ایک مسلمان کی نجات کا کلیدی مسئلہ ہے جسے خود سیکھنا چاہئے اور اپنے اہل وعیال کو سکھانا چاہئے، اور اسے اپنی زندگی کا مشن بنالینا چاہئے۔

اس کتاب میں عقیدۂ اسلام کے تمام کلیدی مسائل نہایت آسان اور مدلل طور پر بیان کئے گئے ہیں قضاء وقدر، امور غیب اور متفرق اعتقادی مسائل بڑے دلنشین انداز میں بیان کئے گئے ہیں کتاب کے مؤلف الامام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ اسلامی تاریخ کے ایک عالم جلیل سمجھے جاتے

ہیں جن کے علم وفضل کا امت اسلامیہ پر بڑا فضل واحسان ہے۔

کتاب جتنی اہم اور مفید تھی اس کا ترجمہ بھی ہمارے برادر عزیز مولانا ابوالمکرّم بن عبدالجلیل نے نہایت آسان اور عام فہم زبان میں کیا ہے جو عوام وخواص سب کیلئے یکساں مفید ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے وزارۃ الشؤن الاسلامیۃ والاوقاف والدعوۃ والارشاد مملکت سعودیہ عربیہ ریاض سے شایع ہوئی تھی اور اہل علم اور رجال دعوت وارشاد میں بہت مقبول ہوئی تھی ہندوستان جیسے طویل عریض اور مختلف مذاہب کی کثرت سے بھرا ہوا ملک شرک وبدعات سے بھرا ہوا ہے، جابجا مزارات اور مشایخ کی خانقاہیں آباد ہیں جہاں دن رات شرک ہو رہا ہے، اور ہندوستان کا کوئی شہر شرک وبدعات کے ان اڈوں سے خالی نہیں، اور اہل توحید کی بے بضاعتی اور کم مایگی اور عملی تساہلی سے یہ شرک کے بازار روز بروز آباد ہوتے جارہے ہیں شرک جس تیزی سے پھیل رہا ہے اتنی تیزی سے اس کو روکنے اوراس کی جگہ توحید وسنت کو عام کرنے کی کوشش نہیں کی جارہی ہے۔

بلکہ دیکھا جائے تو یہاں اکثر دینی اور تبلیغی جماعتیں خود مشایخ پرستی اور توسل بغیر اللہ اور تصور شیخ جیسے شرکیہ عقائد میں مبتلا ہیں بھلا وہ توحید کی اشاعت کیا کرسکیں گے، بعض جماعتوں میں شرک وبدعات کی تردید کو بھی تفریق بین المسلمین سمجھا جارہا ہے اور کھلم کھلا تقلید شخصی، ائمہ

پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، توہم پرستی اور مذہب پرستی میں پوری طرح لت پت ہیں، اور انہیں اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں۔ ادارہ الدار السّلفیہ اپنی ایمانی اور دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ملک میں عرصۂ دراز سے توحید وسنت کو عام کرنے کی حتی الامکان کوشش کر رہا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ ملک اور بیرون ملک میں بھی اس کی دعوت عام ہوتی جا رہی ہے۔

رسالہ "لمعۃ الاعتقاد" میں لائق مؤلف نے توحید کے مسائل کو بیان کرنے کا حق ادا کر دیا ہے، اسی طرح اس رسالے کی تحقیق و تعلیق میں بھی لائق محقق نے اپنی علمی بصیرت کا ثبوت پیش کیا ہے، ہمارے عزیز اور دوست مولانا ابوالمکرّم بن عبدالجلیل حفظہ اللہ نے نہایت فصیح اور صحیح اور آسان اور عام فہم ترجمہ کر کے کتاب کی اہمیت بڑھا دی ہے الدار السّلفیہ اس کتاب کی اشاعت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے رب العالمین سے دعا گو ہے کہ اس علمی صدقۂ جاریہ کا نفع عام فرمائے اور بھٹکے انسانوں کو راہ راست پر لانے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

والسلام

مختار احمد ندوی

مدیر الدار السلفیہ ممبئی

یکم ستمبر ۱۹۹۹ء

مقدمہ از محقق

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلل فلاهادي له، وأشهد أن لاإله إلا الله وحده لاشريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، أمابعد:

زیر نظر کتاب **"لمعۃ الاعتقاد"** امام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی ثم دمشقی صالحی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ کی گرانقدر تصنیف ہے جو سلف صالحین۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم۔ کے مسلک کے مطابق صحیح اسلامی عقیدے کا اختصار ہے۔ یہ کتاب عوام کے سامنے ہم ایسے وقت میں پیش کر رہے ہیں جب کہ مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح و تصحیح نیز عقائد کے سلسلہ میں کتاب وسنت کے چشمۂ صافی تک پہنچنے کے ہم سخت ضرور تمند ہیں۔

یہ کتاب قرون مفضلہ کے مسلمانوں کے عقائد کی سچی تصویر

پیش کرتی ہے جو انہوں نے اپنے ائمہ سے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں سیکھا تھا۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اسلاف کرام نے کس طرح اسلامی عقیدہ کی نشر واشاعت کی، لوگوں کو اس کی طرف بلایا، اس کا دفاع کیا اور وہ اس کے لیے معتزلہ کی جانب سے پیش آنے والی کن کن آزمائشوں سے گذرے، وہ معتزلہ جنہوں نے عقل کو معیار بنانے اور اسے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر مقدم کرنے کی ناروا کوشش کی تھی۔ ساتھ ہی مؤلف نے اس واقعہ کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ امام اذرمی (اذرمی ذال سے ہے جس پر نقطہ ہوتا ہے نہ کہ دال سے جیسا کہ غلطی سے بعض مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے) نے فتنہ خلق قرآن کے سرغنہ قاضی احمد بن ابی دواد معتزلی سے مناظرہ کر کے کس طرح اس کے دانت کھٹے کر دیئے، حتی کہ قاضی احمد معتزلی کے خلاف امام اذرمی کے مسکت دلائل سننے کے بعد خلیفہ واثق باللہ کو یہ کہنا پڑا کہ جس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کا طریقہ کافی نہ ہو اللہ اس کے لیے کبھی کافی نہ ہو۔ اس کی مراد سلف صالحین کا وہ

عقیدہ ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نیز تابعین عظام سے سیکھا تھا، اور وہی صحیح عقیدہ اور صراط مستقیم ہے جس کی ہر مسلمان کو پیروی کرنی چاہیئے، اور اسی کی روشنی میں زندگی گذارنی چاہیئے، اور یقیناً یہی سب سے درست اور سچا راستہ ہے۔ قاضی فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ ہدایت کی راہ پر چلتے رہو، اس راہ پر چلنے والوں کی قلت تمہیں نقصان نہ پہنچائے گی، اور ضلالت کی راہ سے بچو، اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

قرآن مجید نیز سنت رسول ﷺ میں اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر:۹)

"یعنی بیشک ہم نے یہ ذکر۔ قرآن کریم۔ اتارا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں"۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہر جماعت کے ثقہ لوگ اس علم کے وارث ہوتے رہیں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف، اہل باطل کے انتساب اور جاہلوں کی تاویل سے اس علم کو پاک رکھیں گے"۔

کتاب کے مختلف طبعات:

یہ کتاب سعودی عرب اور دمشق وغیرہ میں بارہا طبع ہو چکی ہے، سعودی عرب میں مطبوعہ کوئی ایڈیشن میری نظر سے نہیں گذرا، دمشق میں مکتبہ دار البیان نے ۱۳۹۱ھ میں میری تحقیق کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا تھا، بیروت میں المکتب الاسلامی سے بھی یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے لیکن یہ نسخہ غیر محقق ہے۔ کتاب کا کوئی مخطوطہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا جس کی طرف میں رجوع کر سکوں، اس لیے میں نے نصوص کی حتی المقدور تحقیق کی ہے، خصوصاً امام اُذرمی کے سلسلہ میں، جو کہ سنت کے حامی اور بدعتیوں کے خلاف زبردست مناظر تھے، تحقیق کے دوران میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ "اُذرمی" نقطہ والی ذال سے ہے نہ کہ دال سے، اور یہ نَصِيبِينَ کے ایک گاؤں "اُذرمہ" کی جانب منسوب ہے، اور اسی نسبت کی وجہ سے امام اذرمی کو اذرمی کہا جاتا ہے، آپ کا صحیح نام ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد بن اسحاق اُذرمی نصیبی جزری ہے۔ کتاب میں جس جگہ امام موصوف کا تذکرہ آیا ہے وہاں میں نے یہ وضاحت کر دی ہے اور ساتھ ہی ایک نوٹ لگا دیا ہے جس

سے امام مذکور کی شخصیت نمایاں اور واضح ہو جاتی ہے، جنہوں نے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں خلیفہ واثق باللہ کے سامنے قاضی احمد بن ابی دؤاد معتزلی کو سنت صحیحہ اور عقیدہ سلف کی روشنی میں دندان شکن جواب دے کر خاموش کر دیا تھا۔

اس کتاب میں مذکورہ احادیث کی میں نے حاشیہ میں مختصر سی تخریج کر دی ہے اور بعض شخصیات کے حالات زندگی بھی ذکر کر دیئے ہیں، ساتھ ہی بعض کلمات کی وضاحت بھی کر دی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ کتاب کا یہ نسخہ سابقہ تمام نسخوں سے بہتر ہو گا، توفیق دینا اللہ کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس کوشش کو اپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنائے اور ہمیں عقیدہ صحیحہ اور صراط مستقیم پر گامزن رکھے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

دمشق: خادم سنت

یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ عبدالقادر ارناؤوط

مؤلف کے حالات زندگی

از قلم .... عبدالقادر ارناؤوط

مؤلف کا نسب نامہ یہ ہے: امام وفقیہ' زاہد' شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی مقدسی ثم دمشقی صالحی، رحمہ اللہ۔

آپ فلسطین کی مبارک سرزمین پر بیت المقدس کے قریب علاقہ نابلس کے شہر "جماعیل" میں شعبان ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے، یہ وہ زمانہ ہے جب بیت المقدس اور اس کے مضافات پر صلیبیوں کا قبضہ تھا، اس لئے آپ کے والد ماجد ابوالعباس احمد بن محمد بن قدامہ، جو اس مبارک خاندان بلکہ اس مبارک سلسلۂ نسب کے سربراہ تھے، اپنے پورے خاندان کے ساتھ تقریباً ۵۵۱ھ میں بیت المقدس سے دمشق ہجرت فرماگئے، سفر ہجرت میں آپ کے دونوں بیٹے ابوعمر اور موفق الدین نیز ان کے خالہ زاد بھائی عبدالغنی مقدسی بھی ساتھ تھے۔ مقدسی خاندان کے بیت

المقدس سے دمشق ہجرت کرنے کے اسباب پر حافظ ضیاء الدین مقدسی کی ایک مستقل کتاب ہے۔ بہر حال آپ کے والد پورے کنبہ کے ساتھ دمشق میں مسجد ابو صالح میں مشرقی دروازہ کے پاس اترے، پھر دو سال کے بعد مسجد سے منتقل ہو کر دمشق کے اندر ہی صالحیہ کے کوہ قاسیون کے دامن میں سکونت پذیر ہوگئے۔ اس دوران امام موفق الدین قرآن مجید حفظ کرتے اور اپنے والد ماجد ابو العباس سے (جو کہ صاحب علم و فضل اور متقی و پرہیز گار شخصیت تھے) ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر دمشق کے علماء و مشائخ سے تحصیل علم کیا اور فقہ میں "مختصر الخرقی" وغیرہ زبانی یاد کرلی، مرحلۂ تحصیل علم میں آپ قدم بقدم آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ عمر کی بیس منزلیں طے کرلیں، پھر آپ نے طلبِ علم کے لیے بغداد کا سفر کیا، آپ کے خالہ زاد بھائی عبد الغنی مقدسی جو آپ کے ہم عمر بھی تھے اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے، امام موفق الدین شروع شروع میں تھوڑے عرصہ کے لیے بغداد میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے پاس ٹھہرے، شیخ کی عمر اس

وقت تقریباً نوے سال تھی، امام موفق الدین نے شیخ عبد القادر جیلانی سے "مختصر الخرقی" خوب سمجھ کر اور بڑی دقت نظر کے ساتھ پڑھا، کیونکہ دمشق میں آپ مذکورہ کتاب زبانی یاد کر چکے تھے۔ اس کے بعد ہی شیخ کی وفات ہو گئی تو آپ نے ناصح الاسلام ابو الفتح شیخ ابن المنی کی شاگردی اختیار کرلی اور ان سے فقہ حنبلی اور اختلاف مسائل کا علم حاصل کیا، ان کے علاوہ ہبۃ اللہ بن الدقاق وغیرہ سے بھی آپ نے علمی استفادہ کیا۔ بغداد میں چار سال کا عرصہ گذارنے کے بعد آپ دمشق واپس تشریف لائے اور اہل وعیال کے ساتھ کچھ دن گذار کر ۵۶۷ھ میں پھر بغداد روانہ ہو گئے اور ایک سال تک شیخ ابو الفتح ابن المنی سے علم حاصل کرنے کے بعد دمشق واپس آ گئے۔ ۵۷۴ھ میں فریضۂ حج ادا فرمایا، پھر مکہ مکرمہ سے دمشق واپس آکر فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "مختصر الخرقی" کی شرح "المغنی" کی تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ کتاب "المغنی" فقہ اسلامی اور خصوصیت کے ساتھ فقہ حنبلی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے، اسی لیے سلطان العلماء عز بن عبد السلام نے

کہا تھا کہ جب تک میرے پاس ''المغنی'' نہیں تھی اس وقت تک فتویٰ دینے میں مجھے مزہ نہیں آتا تھا۔

طلبہ آپ کے پاس حدیث و فقہ اور دیگر علوم پڑھتے تھے، ایک کثیر تعداد نے آپ سے فقہ میں کمال و دسترس حاصل کیا ہے، جن میں آپ کے بھتیجے قاضی القضاۃ شمس الدین عبدالرحمٰن بن ابی عمر اور ان کے طبقہ کے دیگر علماء بھی شامل ہیں۔

درس و تدریس کے ساتھ ہی آپ کا مختلف علوم و فنون میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا، خصوصاً علم فقہ میں جس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، اس موضوع پر آپ کی متعدد تصنیفات اس کی شاہد عدل ہیں، علم فقہ میں آپ کی شخصیت بالکل نمایاں ہے اور میدان علم کے شہسوار آپ کے فضائل و مناقب اور علمی برتری کے گواہ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ملک شام میں اوزاعی کے بعد موفق الدین سے بڑا فقیہ نہیں آیا۔

امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ موفق الدین جیسا

عالم میں نے نہیں دیکھا۔

سبط ابن الجوزی کہتے ہیں کہ جس نے موفق الدین کو دیکھا اس نے گویا بعض صحابہ کو دیکھ لیا، ایسا لگتا تھا کہ ان کے چہرے سے نور پھوٹ رہا ہے۔

بہر حال آپ مختلف علوم وفنون کے امام تھے، آپ کے زمانہ میں آپ کے بھائی ابو عمر کے بعد آپ سے زیادہ متقی وپرہیزگار اور بڑا عالم کوئی نہ تھا، عقائد اور زہد وتقویٰ میں آپ سلف صالحین کا نمونہ تھے، بڑے باحیا، دنیا ومافیہا سے بے رغبت، نرم گفتار، نرم دل، ملنسار، فقراء ومساکین سے محبت وہمدردی کرنے والے، بلند اخلاق، فیاض وسخی، عبادت گذار، فضل وکرم والے، پختہ ذہن، علمی تحقیق میں سخت احتیاط برتنے والے، خاموش طبیعت، کم سخن، کثیر العمل نیز بے شمار فضائل ومناقب کے مالک تھے، انسان آپ سے ہم کلام ہونے سے پہلے محض دیکھ کر ہی آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

حافظ ضیاء الدین مقدسی نے آپ کی سیرت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اسی طرح امام ذہبی کی بھی اس موضوع پر ایک کتاب ہے۔

امام موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ صرف علم و تقویٰ ہی کے امام نہ تھے، بلکہ آپ نے بطل اسلام صلاح الدین ایوبی کے ساتھ مل کر جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا ہے، آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ۵۸۳ھ میں جب صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کی سرکوبی نیز ان کی غلاظت سے فلسطین کی مبارک سرزمین کو پاک وصاف کرنے کے لیے مسلمانوں کو لیکر فوج کشی کی تو امام موفق الدین ابن قدامہ، ان کے بھائی ابو عمر، آپ دونوں کے تلامذہ اور خاندان کے کچھ دیگر افراد اس فتحیاب اسلامی پرچم کے تلے ہو کر عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر فریضۂ جہاد ادا کر رہے تھے، آپ حضرات کا ایک مستقل خیمہ تھا جسے لے کر وہ مجاہدین کے ساتھ ساتھ منتقل ہوتے رہتے تھے۔

امام موصوف رحمہ اللہ نے علم فقہ نیز دیگر علوم میں بے شمار مفید کتابیں چھوڑی ہیں۔ چنانچہ علم فقہ میں ''العمدۃ'' مبتدی طلبہ کے لیے اور ''المقنع'' متوسط طبقہ کے طلبہ کے لیے، نیز ''الکافی'' اور ''المغنی'' لکھی ہے، ''الکافی'' میں دلائل کے ساتھ مسائل کو

ذکر کیا ہے تاکہ طلبہ دلیل کی روشنی میں مسائل کا احاطہ اور پھر اس پر عمل کر سکیں، اور "المغنی" جو "مختصر الخرقی" کی شرح ہے اس میں علماء کے مذاہب و آراء اور ان کے دلائل ذکر کیے ہیں، تاکہ باصلاحیت علماء اجتہاد کے طریقوں سے واقف ہو سکیں۔ اصول فقہ میں آپ کی کتاب "روضۃ الناظر" ہے، ان کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں "مختصر فی غریب الحدیث"، "البرہان فی مسالۃ القرآن"، "القدر"، "فضائل الصحابہ"، "المتحابین فی اللہ"، "الرقۃ والبکاء"، "ذم الموسوسین"، "ذم التاویل"، "التبیین فی نسب القرشیین"، "مناسک الحج" اور زیر مطالعہ کتاب "لمعۃ الاعتقاد الہادی الی سبیل الرشاد" وغیرہ گرانقدر تالیفات ہیں۔

۶۲۰ھ میں بروز ہفتہ عید الفطر کے دن آپ کی وفات ہوئی اور دمشق کے اندر صالحیہ کے کوہ قاسیون کے دامن میں جامع الحنابلہ کے بالائی جانب آپ کی تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

لمعة الاعتقاد

الهادي إلى سبيل الرشاد

فصل اول

توحید اسماء وصفات کا بیان

تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی تعریف میں ہر مخلوق رطب اللسان ہے اور جو ہر زمانہ [۱] کا معبود مسجود ہے، کوئی جگہ اس کے علم سے باہر نہیں اور نہ ہی کوئی کام اسے دوسرے کام سے مشغول کر سکتا ہے، اشباہ ونظائر سے برتر وبالا اور جورو اور اولاد سے منزہ ہے، اس کا حکم تمام بندوں پر نافذ ہے، عقلیں اس کی مثال نہیں بیان کر سکتیں اور نہ ہی دل اس کی شکل وصورت کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کے مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام اور عالی صفات ہیں۔

---

[۱] صرف ہر زمانہ ہی میں نہیں، بلکہ ہر جگہ اور ہر زبان میں اس کی عبادت وبندگی ہوتی ہے۔

﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى، لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى، وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى﴾ (طٰہٰ:۵۔۷)۔

''وہ رحمٰن عرش پر مستوی [1] ہے، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہے، اور جو مٹی کے نیچے ہے، اور اگر تم بات پکار کر کہو تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے بھی مخفی بات کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے، ہر مخلوق اس کے حکم اور غلبہ کے ماتحت ہے، اور اس کی رحمت اور اس کا علم ہر شئی کو عام ہے۔

﴿يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا﴾ (طٰہٰ:۱۱۰)

''وہ لوگوں کا اگلا اور پچھلا سب حال جانتا ہے اور لوگوں کو اس کا پورا علم نہیں ہے''۔

اللہ تعالیٰ ان تمام صفات عالیہ سے متصف ہے جو اس نے قرآن کریم میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اپنے لیے ذکر کی ہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اسی انداز سے ہے جو اس کے شایان شان ہے۔

قرآن کریم میں یا رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کے اندر اللہ تعالیٰ کے لیے جو صفات عالیہ بیان کی گئی ہیں ان پر ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان انہیں تسلیم کر لینا ضروری ہے، ان صفات کی تردید یہ تاویل کرنے یا مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینے یا ان کی تمثیل پیش کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جن صفات کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آتی ہو [۱] ان کے بارے میں ضروری ہے کہ لفظی طور پر ان صفات کو ثابت مانیں اور ان کے معانی سے بحث نہ کریں، بلکہ اس کی ذمہ داری اس کے راویوں پر ڈالتے ہوئے اس کا صحیح علم اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیں، کیونکہ یہی راسخین علم [۲] کا طریقہ ہے جن کی اللہ نے قرآن مجید میں یوں تعریف فرمائی ہے:

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾

(آل عمران:۷)

---

[۱] مثلاً مجمل ہونے کے سبب کسی صفت کا معنی واضح نہ ہو، یا خود پڑھنے والے کی سمجھ کا قصور ہو۔

[۲] راسخین علم سے مراد وہ حضرات ہیں جو قرآن مجید کی محکم اور متشابہ ہر قسم کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

"راسخین علم (جو علم میں پختہ کار ہیں وہ) کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔

اس کے برخلاف جو لوگ قرآن مجید کی متشابہ آیات کی تاویل کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں [1] ان کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ، وَمَايَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران:۷)

"جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے متشابہات کی تاویل کے پیچھے پڑنے کو دلوں کی کجی اور ٹیڑھ کی علامت بتایا ہے اور مذمت میں اسے فتنہ تلاش کرنے کے مساوی قرار دیا ہے، مزید برآں تاویل کرنے والوں کی جو خواہش اور تاویل سے ان کا جو مقصد ہوتا ہے

---

[1] اور یہی گمراہ لوگ ہیں جو فتنے کی تلاش میں نیز لوگوں کو دین سے اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے طریقہ سے باز رکھنے کے لیے متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

اس کی یہ کہہ کر اللہ نے تردید کر دی ہے کہ "متشابہات کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

رسول اللہ ﷺ سے ثابت احادیث مثلاً "إن الله ينزل إلى سماء الدنيا" (اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے) یا "إن الله يرى في القيامة" (قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا) اور اس قسم کی دیگر احادیث کے متعلق امام احمد بن محمد بن حنبل [1] اللہ ان سے راضی ہو۔ فرماتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن ان احادیث میں ثابت اللہ کی صفات کی کیفیت اور معنی متعین نہیں کرتے۔ [2] اور نہ ہی کسی صفت کا انکار کرتے ہیں، ساتھ ہی اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بیان فرمایا ہے وہ برحق ہے، نیز ہم آپ کی کسی حدیث کی تردید کی جسارت بھی نہیں کرتے ہیں۔

---

[1] آپ کے بچپن ہی میں آپ کے والد ماجد "محمد" کا انتقال ہو گیا اور دادا "حنبل" نے آپ کی پرورش فرمائی، اسی وجہ سے دادا کی طرف منسوب ہو کر آپ احمد بن حنبل کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام احمد بن حنبل بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد ہی میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کا ظاہری معنی کے علاوہ اہل تاویل کی طرح کوئی اور معنی مراد نہیں لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جو صفات بیان فرمائی ہیں ان کے علاوہ کسی اور صفت سے ہم اسے متصف نہیں کرتے، اور نہ ہی اس کے لیے حد اور انتہا متعین کرتے ہیں:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ:11)

"اس کے مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

اللہ نے جو بیان فرمادیا ہم اسی کے قائل ہیں اور جن صفات سے خود کو متصف کرلی ہم انہی صفات سے اسے متصف مانتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے، اللہ کا وصف بیان کرنے والے حقیقت تک پہنچنے سے عاجز ہیں، قرآن کریم کے محکم و متشابہ ہر ہر حصہ پر ہمارا ایمان ہے، اللہ کی کسی بھی صفت کی اس وجہ سے نفی نہیں کرسکتے کہ بعض کم فہم لوگوں نے اسے قبیح گردانا ہے، قرآن و حدیث سے آگے بڑھنا ہمارا شیوہ نہیں۔ [1] ان صفات کی

---

[1] اللہ تعالیٰ نے جو صفت اپنے لیے ثابت کی ہے ہم اسے ثابت مانتے ہیں، اور جس کی نفی کی ہے ہم بھی اس سے اللہ کو پاک و منزہ جانتے ہیں، بایں طور کہ ان صفات کا معنی وہی ہے جو اللہ نے مراد لیا ہے، ہم اللہ کی کسی بھی صفت کی تاویل نہیں کرتے، بلکہ اس کا علم اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔

حقیقت ہم صرف اتنا جانتے ہیں جتنا قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی [۱] اللہ ان سے راضی ہو۔ فرماتے ہیں کہ اللہ پر اور اللہ کی طرف سے جو کچھ وارد ہے اس پر میرا ایمان ہے، بایں طور کہ ان کا معنی و مطلب وہی ہے جو اللہ نے مراد لیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ پر اور جو کچھ آپ سے ثابت ہے اس پر میرا ایمان ہے، بایں طور کہ ان کا معنی و مطلب وہی ہے جو آپ نے مراد لیا ہے۔ [۲]

سلف صالحین اور ائمہ امت، رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک تھا۔ [۳] وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کے

---

[۱] آپ کا نسب نامہ یہ ہے: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قرشی۔ آپ فلسطین کے مقام غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ میں نشو و نما پائی، مدینہ منورہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا، دو مرتبہ بغداد کا سفر کیا اور ۱۹۹ھ میں مصر کے لیے روانہ ہوئے اور تا وفات (۲۰۴ھ) وہیں مقیم رہے۔

[۲] یعنی ان میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی یا معنی میں کوئی تحریف و تبدیلی نہیں کرتے۔

[۳] یعنی کتاب و سنت میں مذکور اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت ماننا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مراد کے برخلاف ان صفات کا تاویل کرنے سے پرہیز کرنا۔

لیے جو صفات بیان کی گئی ہیں ادنیٰ تاویل کے بغیر ان پر ایمان رکھا جائے، ظاہری معنی پر انہیں محمول کیا جائے اور اللہ کے لیے انہیں ثابت مانا جائے، ہمیں بھی انہیں اسلاف کے نقش قدم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دین کے نام پر ایجاد کی گئی بدعات سے روکا گیا ہے اور بدعات کو گمراہی بتایا گیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"تم میری سنت [1] اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو، اور دین کے اندر ایجاد کئے گئے نئے نئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ [2]

---

[1] سنت کے معنی طریقہ کے ہیں، یہاں سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے، خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے۔

[2] دیکھئے: مسند امام احمد ۴/۱۲۶، ۱۲۷ و سنن ابی داؤد 'کتاب السنۃ' باب فی لزوم السنۃ (۴۶۰۷) و جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع (۲۶۷۸) سنن ابن ماجہ، مقدمہ (۴۲، ۴۳) و مستدرک حاکم ۱/۹۷، و سنن دارمی، مقدمہ، باب اتباع السنۃ (۱/۴۴، ۴۵) بروایت عرباض بن ساریہ ابو نجیح رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور متعدد علمائے حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ترمذی نے بھی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، البتہ ان تمام روایتوں میں "المھدیین من بعدی" والے جملہ میں "من بعدی" کے الفاظ نہیں ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [۱] فرماتے ہیں کہ سنت کی پیروی کرو اور بدعتیں نہ ایجاد کرو، کیونکہ دین تمہارے لیے کافی ومکمل کردیا گیا ہے۔ [۲]

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ [۳] کہتے ہیں کہ جہاں قوم [۴] ٹھہری ہے وہیں تم بھی ٹھہر جاؤ کیونکہ وہ علم وبصیرت کے ساتھ ٹھہرے ہیں، وہ گہرائی میں جانے پر زیادہ قادر تھے، اور اگر اس میں کوئی فضیلت ہوتی تو اس کے زیادہ حقدار تھے، اب اگر تم یہ کہتے ہو

---

[۱] آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، آپ مکی تھے اور سابقین اسلام میں سے تھے، آپ ہی نے مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کی تھی، ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ۔

[۲] یعنی اسلاف کرام نے دین کا کام پورا کردیا ہے، لہٰذا اب دین کے اندر کسی پہلو کی تکمیل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

[۳] آپ کی کنیت ابوحفص اور پورا نام عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم اموی قرشی ہے، خلیفۂ راشد پنجم کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت اور نشو ونما مدینہ منورہ میں ہوئی اور ۹۹ھ میں آپ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، مدت خلافت کل ڈھائی سال ہے مگر خیر وبرکت اور عدل وانصاف سے بھرپور ہے۔ ۱۰۱ھ میں ملک شام کے مقام ''دیر سمعان'' میں وفات پائی۔

[۴] قوم سے مراد نبی ﷺ نیز آپ کے اصحاب ہیں، کیونکہ عقیدہ وعمل کے سلسلہ میں ان کا موقف علم وبصیرت پر مبنی تھا۔

کہ ان کے بعد فلاں چیز ایجاد کی گئی ہے تو سمجھ لو کہ اسے ان لوگوں نے ایجاد کیا ہوگا جو اسلاف کے طریقہ کے مخالف اور ان کی سنت سے گریز کرنے والے ہوں گے۔ سلف نے اتنا بیان کر دیا ہے جتنا کافی وشافی ہے، اب ان سے آگے بڑھنا حد سے تجاوز کرنا ہے اور پیچھے رہنا کوتاہی ہے، جیسا کہ ایک گروہ نے کوتاہی کی تو جفا کر بیٹھے اور دوسرے نے حد سے تجاوز کیا تو غلو کا شکار ہو گئے، حالانکہ افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ صراط مستقیم پر گامزن رہنا سلف کا طریقہ تھا۔

امام اوزاعی۔ [1] اللہ ان سے راضی ہو۔ فرماتے ہیں کہ آثار سلف کی پیروی کرو اگرچہ لوگ تمہیں چھوڑ دیں، اور لوگوں کی ذاتی آراء سے بچو اگرچہ لوگ اسے مزین کر کے کیوں نہ پیش کریں۔

---

[1] آپ کی کنیت ابو عمر اور نام عبد الرحمٰن بن عمر بن محمد اوزاعی ہے، قبیلہ اوزاع سے تعلق رکھتے تھے اور فقہ و زہد میں پورے علاقہ شام کے امام تھے، بعلبک میں پیدا ہوئے بقاع میں پرورش پائی اور بیروت کو اپنا مسکن بنایا اور ۱۵۷ھ میں بیروت ہی میں وفات پائی۔

امام محمد بن عبدالرحمٰن اذرمی [1] نے ایک شخص سے، جس نے ایک بدعت ایجاد کی تھی۔ [2] اور لوگوں کو اسے قبول کرنے کی دعوت دی تھی، فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ، یا ابو بکر، عمر، عثمان اور علی۔ رضی اللہ عنہم اس بات کو جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، امام اَذرمی نے فرمایا: جو بات، وہ لوگ نہیں جان سکے تم جان گئے؟ اس بدعتی نے فوراً بات بدل دی اور کہا کہ نہیں، بلکہ وہ لوگ یہ بات جانتے تھے، امام اَذرمی نے فرمایا:

---

[1] کتاب کے مطبوع نسخوں میں اَذرمی ہی ہے، لیکن اس نام سے ان کی سوانح حیات موجود نہیں، غالباً یہ اَذرمی ہے جو جزیرہ میں نصیبین کی ایک بستی "اذرمہ" کی طرف نسبت ہے، جہاں سے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد بن اسحاق اذرمی نصیبی جزری کا تعلق ہے، آپ نے وکیع الجراح، سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم سے روایت حدیث کی ہے، جب کہ امام ابوداؤد، نسائی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابن ابی الدنیا اور ابویعلی موصلی وغیرہم آپ کے شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ خلیفہ واثق باللہ نے فتنۂ خلق قرآن کے سلسلے میں اذرمہ سے ایک شیخ کو بلایا جنہوں نے خلیفہ واثق کی موجودگی میں ابن ابی داؤد معتزلی سے مناظرہ کیا، کہا جاتا ہے کہ شیخ کا نام اَذرمی تھا۔ مسعودی وغیرہ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ "معجم البلدان" میں اَذرمہ کی بحث ملاحظہ کیجئے، یاقوت نے انہی اذرمی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہی ہیں جنہوں نے فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں احمد بن ابی داؤد معتزلی سے مناظرہ کر کے اسے خاموش ولاجواب کر دیا تھا۔

[2] یہ شخص وہی احمد بن داؤد ہے جو معتزلہ کا مشہور قاضی اور فتنۂ خلق کا سرغنہ تھا، خلیفہ متوکل کے زمانہ میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور ۲۴۰ھ میں بغداد کے اندر اسی حالت میں مر گیا۔

تمہارے بقول جاننے کے باوجود کیا ان کے لیے یہ ممکن ہوا کہ اس بات کو بیان نہ کریں اور لوگوں کو اس کی طرف نہ بلائیں؟ اس نے جواب دیا: کیوں نہیں ان کے لیے ممکن ہوا، امام صاحب نے فرمایا: جو بات رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کے لیے ممکن تھی وہ تمہارے لیے ممکن نہیں؟ بدعتی سے پھر کوئی جواب نہ بن سکا اور خاموش ہو گیا۔ خلیفہ [1] اس مناظرہ میں موجود تھا وہ فوراً بول پڑا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کا طریقہ جس کے لیے کافی نہ ہو اللہ اس کے لیے کبھی وسعت وکشادگی پیدا نہ کرے، اور ایسے ہی وہ شخص جسے نبی کریم ﷺ کی سنت اور صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین اور راسخین علم کا طریقہ یعنی آیات صفات کی تلاوت کرنا، احادیث صفات کا پڑھنا اور انہیں ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا کافی نہ ہو اللہ اسے وسعت وفراخی سے محروم رکھے۔

---

[1] یہ خلیفہ واثق باللہ تھا جس کا نام ہارون بن محمد ہے، فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں اس نے کتنے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اور کتنے لوگوں کو قید کر کے ان کے عقیدے خراب کیے، ۲۳۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن:۲۷)

"اور تیرے رب کا چہرہ [1] باقی رہے گا۔

اور فرمایا:

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدۃ:۶۴)

"بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں"۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے کہا:

﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ (المائدۃ:۱۱۶)

"جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے، مگر جو تیرے دل میں ہے میں نہیں جانتا۔

---

[1] سلف صالحین کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے "وجہ" (چہرہ) ثابت ہے، لہٰذا اللہ کے شایان شان اس کے لیے "وجہ" کو ثابت ماننا ضروری ہے، بایں طور کہ اس کے معنی کو ظاہری مفہوم سے ہٹایا نہ جائے، نہ اسے بے معنی کیا جائے، نہ اس کی کیفیت بیان کی جائے اور نہ مخلوق سے تشبیہ دی جائے۔

نیز فرمایا: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ﴾ (الفجر:۲۲)

"اور آئے گا تیرا رب اور فرشتے قطار در قطار"۔

اور فرمایا: ﴿هَلۡ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأۡتِيَهُمُ ٱللَّهُ﴾ (البقرة:۲۱۰)

"کیا وہ اسی کا انتظار کرتے ہیں کہ آئے ان پر اللہ (ابر کے سائبانوں میں)

اور فرمایا: ﴿رَضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ﴾ (المائدة:۱۱۹)

"اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اور فرمایا: ﴿يُحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّونَهُۥٓ﴾ (المائدة:۵۴)

"اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں"۔

نیز کافروں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡ﴾ (الفتح:۶)

"اور اللہ ان پر غصہ ہوا۔

اور فرمایا:

﴿ٱتَّبَعُواْ مَآ أَسۡخَطَ ٱللَّهَ﴾ (محمد:۲۸)

"وہ اس طریقہ پر چلے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے"۔

نیز فرمایا: ﴿كَرِهَ اللّٰهُ انبِعَاثَهُمْ﴾ (التوبہ:۴۶)

"اللہ نے ان کا اٹھنا پسند نہ کیا۔

اور جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے ان میں سے چند یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة إلى سماء الدنيا" [1]

ہمارا رب جو بلند و بابرکت ہے، ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ نیز فرمایا:

"يعجب ربك من الشاب ليست له صبوة" [2]

'تمہارا رب اس نوجوان سے خوش ہوتا ہے جس کے اندر

---

[1] دیکھئے: مسند امام احمد ۲/ ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۸۲، ۴۱۹، ۴۸۷، ۵۰۴۔ و صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل (۳/ ۲۵، ۲۶) و صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل (۷۵۸) و موطا مالک، کتاب القرآن، باب ماجاء فی الدعاء (۱/ ۲۱۴) و سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، باب الرد علی الجہمیہ (۴۷۳۳) و جامع ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی نزول الرب عزوجل الی السماء الدنیا کل لیلہ (۴۴۶) و سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی ای ساعات اللیل افضل (۱۳۶۶) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[2] مسند احمد ۴/ ۱۵۱، و معجم طبرانی کبیر ۱۷/ ۳۰۹ بروایت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، البتہ اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں، حافظ سخاوی اپنی کتاب "المقاصد الحسنہ" میں »

میلان نفس نہ ہو۔

اور فرمایا:

"يضحك الله إلى رجلين قتل أحدهما الآخر ثم يدخلان الجنة"[1]

"اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر دونوں کے دونوں جنت میں داخل ہو گئے"

اور اسی طرح کی دیگر احادیث جو صحیح سند اور ثقہ راویوں سے

» فرماتے ہیں کہ تمام نے "فوائد" میں اور قضاعی نے اپنی مسند میں ابن لہیعہ سے بروایت ابوعشانہ، عقبہ بن عامر کی یہ مرفوع حدیث ذکر کی ہے۔ "ان الله ليعجب من الشاب الذی ليست له صبوة" امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسی طرح مسند احمد نیز مسند ابو یعلی (۲۸۹/۳) میں موجود ہے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں ابن لہیعہ کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، سخاوی کہتے ہیں کہ ابو حاتم حضرمی کے "جزء" میں بروایت اعمش، ابراہیم نخعی کا یہ قول مروی ہے "کان یعجبهم ان لایکون للشباب صبوة" اسلاف اس بات سے خوش ہوتے تھے کہ نوجوان کے اندر میلان نفس نہ ہو۔

[1] صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الکافر یقتل المسلم ثم یسلم فیسدد بعد ویقتل (۲۹/۶، ۳۰) و صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان الرجلین یقتل احدھما الاخر یدخلان الجنۃ (۱۸۹۰) وموطا مالک کتاب الجہاد، باب الشہداء فی سبیل اللہ (۴۶۰/۲) وسنن نسائی کتاب الجہاد، باب اجتماع القاتل والمقتول فی سبیل اللہ (۳۸/۶) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

مروی ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے، ہم ان کی تردید یا انکار یا خلاف ظاہر تاویل نہیں کرتے، اور نہ ہی اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں، اور یقین کے ساتھ یہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شبیہ و نظیر نہیں۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری:۱۱)

"اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے"۔

ہر وہ شکل جو دل میں کھٹکے یا ذہن اس کا تصور کرے اللہ تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے۔

آیات صفات میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہ:۵)

"رحمٰن عرش پر مستوی ہوا"۔[1]

اور یہ ارشاد بھی: ﴿ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ﴾ (ملک:۱۶)

"کیا تم نڈر ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے"۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہے اور اللہ نے قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر اپنے مستوی عرش ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی:

"ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمانوں میں ہے، اے اللہ تیرا نام بزرگ ہے"۔ [۱]

اور یہ حدیث بھی جس میں آپ نے لونڈی سے فرمایا تھا:

"اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: آسمان میں، آپ نے فرمایا: اسے آزاد کردو، یہ مومنہ ہے" اسے مالک اور مسلم نیز دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ [۲]

نیز رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث جس میں آپ نے حصین سے فرمایا تھا:

---

[۱] مذکورہ حدیث ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ "من اشتکی منکم شیا اواشتکاہ اخ لہ فلیقل: ربنا اللہ الذی فی السماء...." اس حدیث کو امام احمد نے مسند (۲۱/۶) میں روایت کیا ہے، البتہ اس کی سند میں جہالت اور ضعف ہے، ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو اپنی سنن میں کتاب الطب کے اندر (حدیث ۳۸۹۲ کے تحت) ذکر کیا ہے، اور حاکم نے مستدرک (۳۴۴/۱) میں۔ لیکن اس سند میں زیادہ ابن محمد انصاری ہیں جو متروک ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر "تقریب" میں ذکر کیا ہے، حافظ ذہبی نے اپنی کتاب "تلخیص" (۳۴۴/۱) میں کہا ہے کہ امام بخاری وغیرہ نے زیادہ کو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

[۲] دیکھئے: مؤطا امام مالک ۷۷۶/۲، ۷۷۷۔ و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ماکان من اباحتہ (۵۳۷)

"تم کتنے معبود کی پرستش کرتے ہو؟ جواب دیا: سات معبودوں کی، چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں، آپ نے فرمایا: خوف ور جا کے وقت کس معبود کو پکارتے ہو؟ جواب دیا: جو آسمان میں ہے، آپ نے فرمایا: پھر زمین والے چھ معبودوں کو چھوڑ دو اور صرف آسمان والے کی عبادت کرو، اور میں تمہیں دو دعائیں بتاتا ہوں انہیں پڑھا کرو"۔

چنانچہ حصین اسلام لے آئے اور آپ نے انہیں یہ دعا سکھائی "اللھم الھمنی رشدی وقنی شر نفسی"[1] اے اللہ مجھے بھلائی کی راہ دکھا اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھ۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کی جو نشانیاں مذکور ہیں ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ

---

[1] اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں ابواب الدعوات، باب ۷۰ (۳۴۷۹) کے تحت روایت کیا ہے، البتہ اس کی سند میں شبیب بن شیبہ تمیمی منقری ہیں جو صدوق ہیں، لیکن حدیث میں انہیں وہم ہو جاتا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں ذکر کیا ہے، نیز اس سند میں حسن بصری ہیں جنہوں نے معنعن روایت کیا ہے۔ اس کے باوجود امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حسن غریب ہے اور اس سند کے علاوہ دوسرے طریق سے بھی یہ حدیث عمران بن حصین سے مروی ہے۔

سجدے زمین پر کریں گے، مگر ان کا اعتقاد یہ ہو گا کہ ان کا معبود آسمان میں ہے۔

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب ''سنن'' میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ اتنا اتنا ہے۔۔۔ پھر آخر میں فرمایا: اس کے اوپر عرش ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔[1]

یہ اور اس قسم کی دیگر صفات کی نقل و روایت نیز ان کی قبولیت اسلاف کرام کا اجماع ہے، انہوں نے ان صفات کی تردید یا تاویل یا تشبیہ و تمثیل کی کوشش نہیں کی۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ [2] سے سوال کیا گیا کہ اے

---

[1] دیکھئے: مسند احمد ۱/۲۰۶، ۲۰۷، وسنن ابی داؤد ''کتاب السنہ'' باب فی الجہمیہ (۴۷۲۳، ۴۷۲۴، ۴۷۲۵) وجامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب من سورۃ الحاقہ (۳۳۱۷) وسنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فیما انکرت الجہمیہ (۱۹۳)، البتہ سند میں عبداللہ بن عمیرہ ہیں جو مجہول ہیں، اس کے باوجود امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، ولید بن ابو ثور نے اسی طرح سماک سے مرفوعاً روایت کیا ہے، نیز شریک نے اس حدث کا بعض حصہ سماک سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

[2] آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور نام مالک بن انس بن مالک اصبحی حمیری ہے اور امام دار الہجرت کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۹۳ھ میں مدینہ طیبہ میں ولادت ہوئی اور ۱۷۹ھ میں مدینہ ہی میں وفات پائی۔

ابو عبداللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ:۵)

”رحمٰن عرش پر مستوی ہوا“

تو کس طرح مستوی ہوا؟ امام مالک نے فرمایا: استواء معلوم ہے [۱] اور کیفیت غیر معقول ہے۔ [۲] اور اس پر ایمان لانا واجب ہے [۳] اور کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ پھر امام مالک نے حکم دیا اور سوال کرنے والے شخص کو مجلس سے نکال دیا گیا۔ [۴]

---

[۱] یعنی ”استواء“ کا معنی معلوم ہے اور وہ ہے بلند ہونا۔

[۲] یعنی اللہ کے مستوی ہونے کی کیفیت کا ادراک عقل سے باہر ہے۔

[۳] اس پر ایمان لانا اس لیے واجب ہے کہ وہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

[۴] تاکہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ اعتقاد کے معاملہ میں کسی فتنے کا شکار نہ ہوں۔

فصل دوم

اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا بیان

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کلام فرماتا ہے اور اس کا کلام ازلی ہے۔[1] اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا کلام سناتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست اللہ کا کلام سنا، ان کے علاوہ جبریل علیہ السلام اور دیگر انبیاء و ملائکہ جنہیں اللہ نے اجازت دی انہوں نے بھی اس کا کلام سنا۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کلام فرمائے گا اور وہ اس سے کلام کریں گے، نیز اللہ کی اجازت کے بعد وہ اس کے دیدار سے بھی مشرف ہوں گے۔[2] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ (النساء:۱۶۴)

"اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا جس طرح کلام کیا جاتا ہے۔

---

[1] یعنی کلام فرمانا اللہ کی ایک صفت ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وکلم اللہ موسی تکلیما" اور موسیٰ سے کلام کیا جس طرح کلام کیا جاتا ہے۔

[2] یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو امام ترمذی نے اپنے جامع میں (حدیث نمبر ۲۵۵۲) »

دوسری جگہ فرمایا:

﴿قَالَ يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّى ٱصْطَفَيْتُكَ عَلَى ٱلنَّاسِ بِرِسَٰلَٰتِى وَبِكَلَٰمِى﴾ (الاعراف:۱۴۴)

"اے موسیٰ میں نے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تجھے منتخب کرلیا ہے اپنا پیغام بھیجنے کے لیے اور ہم کلام ہونے کے لیے۔

اور فرمایا: ﴿مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ ٱللَّهُ﴾ (البقرۃ:۲۵۳)

"ان میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا"۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآءِ ى حِجَابٍ﴾ (الشوریٰ:۵۱)

"کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی (اشارے) کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے"۔

» اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں (حدث نمبر ۴۳۳۶) کے تحت روایت کیا ہے۔ البتہ اس کی سند میں عبدالحمید بن حبیب بن ابوالعشرین ہیں جو اوزاعی کے کاتب تھے، یہ صدوق ہیں اور کبھی کبھی غلطی کرجاتے ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ کاتب دیوان تھے اور صاحب حدیث نہ تھے۔ اسی وجہ سے امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب یعنی ضعیف بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا کچھ حصہ سوید بن عمرو نے اوزاعی سے روایت کیا ہے۔

اور فرمایا:

﴿فَلَمَّآ أَتٰهَا نُودِىَ يٰمُوسَىٰٓ، إِنِّىٓ أَنَا۠ رَبُّكَ﴾ (طٰہٰ:۱۱،۱۲)

"پھر جب آگ کے پاس پہنچے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں ہی تیرا رب ہوں"۔

نیز فرمایا:

﴿إِنَّنِىٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِى﴾ (طٰہٰ:۱۴)

"بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس لیے میری ہی بندگی کر"۔

اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ یہ باتیں اللہ کے سوا کوئی اور کہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان والے (فرشتے) اس کی آواز سنتے ہیں، یہ حدیث نبی ﷺ سے مروی ہے۔[۱]

---

[۱] اس حدیث کو امام بخاری نے تعلیقاً اور ابن مسعود پر موقوف ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، "سمع اهل السموات شيئا" کہ آسمان والے کچھ سنتے ہیں۔ دیکھئے صحیح بخاری کتاب »

عبداللہ بن انیس [1] سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو اس حالت میں جمع کرے گا کہ وہ برہنہ، ننگے پیر، غیر مختون اور خالی ہاتھ ہوں گے، پھر سب کو ایک آواز سے پکارے گا جس کو قریب اور دور والے سب یکساں طور پر سنیں گے، فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی بدلہ دینے والا ہوں"۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے (باب کے تحت) بطور استشہاد ذکر کیا ہے۔ [2]

» التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: "ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له" (۱۳/۳۸۱)، البتہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں باب فی القرآن (۴۷۳۸) کے تحت "سمع اهل السماء صلصلة...." کے الفاظ کے ساتھ موصولاً و مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔

[1] آپ کا پورا نام عبداللہ بن انیس جہنی اور کنیت ابو یحیٰ مدنی ہے، انصار میں بنو سلمہ کے حلیف تھے، ملک شام میں مشہور قول کے مطابق ۸۰ھ اور ایک ضعیف قول کے مطابق ۵۴ھ میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ

[2] امام بخاری نے اس حدیث کو مختصراً اور تعلیقاً ذکر کیا ہے دیکھئے: صحیح بخاری ۱۳/ ۳۸۳، ۳۸۴۔ لیکن اسی حدیث کو امام احمد نے مسند ۳/ ۴۹۵ میں، ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور خود بخاری نے "الادب المفرد" میں عبداللہ بن محمد بن عقیل کے واسطہ سے جابر رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی دوسری سند بھی ہے جسے طبرانی نے "مسند شامین" میں اور تمام نے "فوائد" میں ذکر کیا ہے، اور وہ حجاج بن دینار عن محمد بن منکدر عن جابر کی سند ہے۔ ایک تیسری سند بھی ہے جسے خطیب بغدادی نے "الرحلہ" میں ذکر کیا ہے، اور وہ ابوالجارود العنسی عن جابر کی سند ہے۔ بہر حال یہ حدیث حسن ہے، مزید دیکھئے: فتح الباری (۱/ ۱۵۸، ۱۵۹) باب الخروج فی طلب العلم و (۱۳/ ۳۸۳)

بعض آثار میں منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس رات آگ کو دیکھا تو آگ سے ڈر گئے، اللہ نے انہیں پکارا: اے موسیٰ! آواز سن کر موسیٰ علیہ السلام کو قدرے تسلی ہوئی اور جلدی سے کہا: حاضر، حاضر، تیری آواز سن رہا ہوں مگر تجھے دیکھ نہیں رہا ہوں، تم کہاں ہو؟ فرمایا: میں تیرے اوپر ہوں اور سامنے ہوں اور دائیں ہوں اور بائیں ہوں۔ موسیٰ سمجھ گئے کہ یہ صفات تو اللہ ہی کی ہو سکتی ہیں، فوراً بول پڑے کہ میرے معبود! تو یقیناً ایسا ہی ہے، لیکن کیا میں تیرا کلام سن رہا ہوں تیرے فرستادہ (فرشتے) کا؟ فرمایا: اے موسیٰ! تم میرا کلام سن رہے ہو۔[1]

---

[1] موسیٰ علیہ السلام سے متعلق آگ والی رات کا یہ قصہ مجھے کہیں نہیں مل سکا۔ واللہ اعلم ویسے اس روایت میں اللہ کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں صحیح نصوص سے ان کا ثبوت نہیں۔

فصل سوم

قرآن کریم کے بارے میں سلف کا عقیدہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کا ایک حصہ قرآن مجید بھی ہے، اور یہی اللہ کی کتاب مبین، حبل متین، صراط مستقیم اور اس کی نازل کردہ کتاب ہے، جسے جبریل امین۔ علیہ السلام۔ نے عربی زبان میں سید المرسلین، محمد ﷺ کے قلب پر نازل فرمایا تھا، یہ کلام جستہ جستہ اللہ کی طرف سے اترا ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹ جائے گا، اور یہ مخلوق نہیں ہے، نیز یہ کلام محکم سورتوں، آیات بینات اور حروف و کلمات پر مشتمل ہے۔

جس نے اس کتاب قرآن مجید کو پڑھا اور اس میں غلطی نہیں کی تو ایک ایک حرف پر اسے دس دس نیکیاں ملیں گی۔[1] اس کتاب کا اول ہے اور آخر ہے، اور پارے اور اجزاء ہیں، زبان سے

---

[1] یہ جملہ ایک ضعیف حدیث سے ماخوذ ہے جسے امام طبرانی نے "اوسط" میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قرآن کو درستگی کے ساتھ پڑھو، «

اس کی تلاوت ہوتی ہے اور کان اسے سنتے ہیں، یہ سینوں میں محفوظ اور مصاحف میں مکتوب ہے، نیز یہ محکم ومتشابہ ، ناسخ ومنسوخ، خاص وعام اور امر ونہی پر مشتمل ہے۔

﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَٰطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (فصلت:۴۲)۔

"اس پر نہ سامنے سے باطل آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے"۔

اور فرمایا:

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْءَانِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (الاسراء:۸۸)

"کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے،

« جس نے قرآن پڑھا اور پڑھنے میں غلطی نہیں کی تو اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں، اس کے دس گناہ معاف ہوئے اور دس درجے بلند ہوئے"۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی نہشل بن سعید بن وردان الوردانی ہیں جو متروک ہیں، اور امام اسحاق بن راہویہ نے انہیں کذاب (جھوٹا) قرار دیا ہے، دیکھئے: (مجمع الزوائد ۷ / ۱۶۳)۔

چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مدد گار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اور قرآن مجید ہی وہ عربی کتاب ہے جس کے بارے میں کفار نے کہا تھا:

﴿لَن نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْءَانِ﴾ (سبا:۳۱)

"اس قرآن پر ہم ہرگز ایمان نہیں لا سکتے۔

اور بعض نے کہا تھا:

﴿إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ (المدثر:۲۵) "یہ تو بشر کا کلام ہے"۔

جس کی تردید کرتے ہوئے اللہ سبحانہ نے فرمایا:

﴿سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾ (المدثر:۲۶)

"عنقریب میں ایسا کہنے والے کو جہنم میں جھونک دوں گا"۔

نیز بعض لوگوں نے قرآن کے شعر ہونے کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْءَانٌ مُّبِينٌ﴾ (یس:۶۹)

"ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی شاعری اس کو زیب

دیتی ہے، یہ تو ایک نصیحت اور قرآن مبین (صاف پڑھی جانے والی کتاب) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اس کتاب کے شعر ہونے کی نفی کر دی اور اس کا قرآن ہونا ہی ثابت فرمادیا، تو اب کسی صاحب عقل کے لیے کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ قرآن ہی وہ کتاب عربی ہے جو حروف وکلمات اور آیات بینات پر مشتمل ہے، کیونکہ انہی صفات کے حامل کلام کو شعر کہا جاتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ، وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (البقرة:۲۳)۔

"اور اگر تمہیں اس میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس جیسی ایک ہی سورت بنالاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے سارے ہمنواؤں کو بلالو۔ ظاہر ہے کسی ایسی چیز کی مانند لانے کا چیلنج نہیں دیا جاسکتا جو چیز عقل وادراک سے باہر ہو۔ نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ءَايَاتُنَا بَيِّنَٰتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآئنا ائْتِ بِقُرْءَانٍ غَيْرِ هَٰذَآ أَوْبَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَن أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَآي نَفْسِيٓ﴾(یونس:۱۵)

"جب انہیں ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ، یااس میں ترمیم کردو۔اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میرا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کروں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ قرآن مجید ہی (میں) وہ آیات بینات ہیں جو لوگوں کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔اللہ نے فرمایا:

﴿بَلْ هُوَ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ فِى صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُواْ الْعِلْمَ﴾ (العنکبوت:۴۹)"دراصل یہ آیات بینات ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے۔

اسی طرح قسم کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ، فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ لَّايَمَسُّهُۥٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾(الواقعہ:۷۷۔۷۹)

"یہ قرآن کریم ہے، ایک محفوظ کتاب میں ثبت ہے، جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا"۔

مزید فرمایا: ﴿کٓہٰیٰعٓصٓ﴾ (مریم:۱)

﴿حٰمٓ، عٓسٓقٓ﴾ (الشوریٰ:۱)

اس طرح کل انتیس سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع فرمایا ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے قرآن پڑھا اور اس میں غلطی نہیں کی تو اسے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں۔[1] اور جس نے قرآن پڑھا اور اس میں غلطی کی تو اسے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملی"۔ یہ حدیث صحیح ہے۔[2]

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

---

[1] اس حدیث کو امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۱۶۳) میں معجم طبرانی اوسط کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے حاشیہ (۴۲)۔

[2] مولف کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا درست نہیں، معجم طبرانی اوسط میں یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "قال رسول الله ﷺ من قرالقرآن فأعرب بعضا ولحن بعضا کتب له عشرون حسنة" جس نے قرآن پڑھا اور بعض درست پڑھا اور بعض میں غلطی کی تو اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔ اس حدیث کی سند میں عبد الرحیم بن زید عمی ہیں جو متروک ہیں، دیکھئے: مجمع الزوائد ۷/ ۱۶۳۔

”قرآن پڑھو قبل اس کے کہ وہ لوگ آئیں جو اس کے حروف کو تو تیر کی مانند سیدھا کریں گے (خوب بنا سنوار کر تجوید کے ساتھ پڑھیں گے) مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ قرآن پڑھ کر دنیا کا فائدہ چاہیں گے اور آخرت کے ثواب سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے۔[1]

ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ صحت و درستگی کے ساتھ قرآن پڑھنا ہمارے نزدیک اس کے بعض حروف یاد کر لینے سے اچھا ہے۔

نیز علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا اس نے پورے قرآن کا انکار کیا۔

اسی طرح تمام مسلمان قرآن مجید کی سورتوں، آیتوں اور اس کے الفاظ و حروف کے شمار کرنے پر متفق ہیں، اور اس بات پر بھی کہ جس نے قرآن کی کسی سورت یا آیت یا لفظ یا کسی حرف تک کا انکار کیا تو وہ کافر ہے۔ اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید حروف ہے۔

---

[1] یہ حدیث حسن ہے، دیکھئے: مسند امام احمد ۳/۱۴۶، ۱۵۵ بروایت انس، و ۳/۳۵۷، ۳۹۷ بروایت جابر، و ۵/۳۳۸ بروایت سہل بن سعد ساعدی نیز دیکھئے: سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یجزیٔ الامی والأعجمی من القراء (۸۳۱) بروایت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

فصل چہارم

قیامت کے دن اہل ایمان کے اللہ کے دیدار سے مشرف ہونے کا بیان

اہل ایمان (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔[1] اس سے ملاقات کریں گے، ہم کلام ہوں گے اور اللہ ان سے کلام فرمائے گا، ارشاد ہے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ، إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامہ:۲۲،۲۳)

''قیامت کے روز کچھ چہرے ترو تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اور فرمایا:

﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾ (المطففین:۱۵)۔

''ہرگز نہیں، یقیناً یہ قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے''۔

---

[1] یہاں پر قیامت کے دن دیکھنا مراد ہے، کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے اللہ عزوجل کو نہیں دیکھ سکتا''۔ دیکھئے: صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر ابن صیاد (۱۶۹،۲۹۳۱) و مسند احمد ۵/ ۳۲۴، و جامع ترمذی، حدیث (۲۲۳۶)۔

فاجروں کا اللہ کے دیدار سے بحالت غضب محروم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ مومنین کو بحالت رضا اللہ کے دیدار کا شرف حاصل ہوگا، ورنہ اللہ کے دیدار کے سلسلہ میں مومنوں اور فاجروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو کہ اس کو دیکھنے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی“ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔[1]

اس حدیث میں جو تشبیہ دی گئی ہے وہ صرف دیکھنے سے متعلق ہے، دیکھی جانے والی چیز میں تشبیہ مقصود نہیں، کیونکہ اللہ کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: مسند احمد ۴/۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۵، و صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ: ”وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربها ناظرۃ“ (۱۳/۳۵۱، ۳۵۷) و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیہما (۶۳۳) و سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، باب فی الرؤیۃ (۴۷۲۹) و جامع ترمذی، ابواب صفۃ الجنہ، باب ماجاء فی رؤیۃ الرب تبارک وتعالیٰ (۲۵۵۴) بروایت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ۔

فصل پنجم

قضاء و قدر کا بیان

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے، اس کے ارادہ کے بغیر کسی شئے کا وجود نہیں، اور اس کی مشیت سے کوئی چیز باہر نہیں، کائنات کا ہر ذرہ اس کی تقدیر کے ماتحت اور اس کے حکم سے وجود پذیر ہوتا ہے، اس کی مقرر کردہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں اور لوح محفوظ میں جو لکھا جاچکا ہے اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں، کائنات میں لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے ارادہ سے ہے، وہ اگر بچانا چاہے تو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے، اور اگر چاہے کہ سب اس کی اطاعت کریں تو سب کے سب اس کی اطاعت کریں گے۔ اس نے مخلوق کو اور ان کے افعال کو پیدا فرمایا ہے، اور ہر ایک کا رزق اور زندگی متعین کردی ہے، جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے ہدایت

یاب کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنی حکمت سے گمراہ کرتا ہے، فرمایا:

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾ (الانبیاء:۲۳)۔

"وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کے آگے جوابدہ نہیں، اور سب جوابدہ ہیں"۔

اور فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر:۴۹)

"یقیناً ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

مزید فرمایا:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان:۲)

"اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔

نیز فرمایا:

﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا﴾ (الحدید:۲۲)

"کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔

اور فرمایا:

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام:۱۲۵)

"جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے۔

نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی نازل کردہ کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور بھلی اور بری تقدیر (کے اللہ کی طرف سے ہونے) پر ایمان لاؤ"۔

یہ جواب سن کر جبرئیل نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان ووجوب الایمان باثبات قدر اللہ تعالیٰ (حدیث ۸) بروایت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہر تقدیر پر میں ایمان لایا، خواہ وہ بھلی ہو یا بری، پسند ہو یا ناپسند" [۱]

نیز رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا یہ بھی ہے جسے آپ نے اپنے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قنوت وتر میں پڑھنے کے لیے سکھایا تھا: "وقنی شر ماقضیت" [۲] یعنی اے اللہ! تو نے جو فیصلہ فرمادیا ہے اس کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ کے احکامات پر عمل نہ کرنے اور محرمات و منہیات کا ارتکاب کرنے کے لیے ہم قضا و قدر و بہانہ

---

[۱] امام ہیثمی اپنی کتاب "مجمع الزوائد" (۱/۴۱) میں لکھتے ہیں کہ طبرانی نے معجم کبیر میں معتبر سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "الایمان ان تومن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والجنۃ والنار والقدر خیرہ وشرہ وحلوہ ومرہ من اللہ" یعنی ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، جنت و جہنم پر اور تقدیر پر ایمان لاؤ کہ بھلی و بری اور پسند و ناپسند تقدیر سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی "صحیح" (۱۶) میں نیز دار قطنی وغیرہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے۔

[۲] سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب القنوت فی الوتر (۱۴۲۵، ۱۴۲۶) وجامع ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر (۴۶۴) وسنن نسائی، کتاب قیام اللیل، باب الدعاء فی الوتر (۳/۲۴۸) نیز دیکھئے مسند امام احمد، طبرانی اور سنن بیہقی، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

نہیں بناتے، بلکہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کر کے اور رسولوں کو مبعوث فرما کر ہم پر حجت تمام کر دی ہے۔ فرمایا:

﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء:۱۶۵)

"تاکہ رسولوں کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے"۔

ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کے کرنے یا کسی کام سے باز رہنے کا جو حکم دیا ہے، وہ اس بنیاد پر دیا ہے کہ بندے کے اندر حکم بجا لانے کی طاقت موجود ہے، اللہ نے کسی کو معصیت پر، یا ترک اطاعت پر مجبور نہیں کیا ہے، فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:۲۸۶)

"اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

اور فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:۱۶)

"اللہ سے ڈرو جتنا تم میں طاقت ہے۔

نیز فرمایا:

﴿اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ﴾ (المومن:۱۷)

”آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی، آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا“۔

مذکورہ آیت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ بندے کا اپنا عمل اور اپنی کمائی ہے جس پر اسے اچھے عمل کا اچھا، اور برے عمل کا برا بدلہ دیا جائے گا اور یہ سارے اعمال اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

فصل ششم

ایمان کی حقیقت

زبان سے اقرار کرنے، دل میں پختہ یقین رکھنے اور ارکان اسلام پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے، جو نیکیوں سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُواْ ٱلزَّكَوٰةَۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلۡقَيِّمَةِ﴾ (البینۃ:۵)

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی درست دین ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی، اخلاص نیت، نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کو دین قرار دیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ایمان کے تہتر سے زائد درجے ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ

اللہ کے معبود برحق ہونے کی شہادت دینا، اور سب سے ادنیٰ درجہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے''۔[1]

اس حدیث میں آپ ﷺ نے قول و عمل دونوں کو ایمان قرار دیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ (التوبہ:۱۲۴)

''یعنی جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان میں ہر نازل ہونے والی سورت نے اضافہ ہی کیا ہے۔

مزید فرمایا:

﴿لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا﴾ (الفتح:۴)

''یعنی وہ اللہ ہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ اور ایمان بڑھالیں۔

---

[1] اس حدیث کو بخاری نے مختصر اور مسلم نے مطولاً روایت کیا ہے، دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان (۱/۴۸، ۴۹) و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان وافضلہا (۳۵)، اس حدیث کا آخری ٹکڑا ''والحیاۃ شعبة من الایمان'' ہے۔ دیکھئے: فتح الباری (۱/۴۹) ایمان کی شاخوں کا بیان۔ مکمل تخریج کے لیے میری تحقیق کے ساتھ شائع شدہ کتاب ''مختصر شعب الایمان'' کی طرف رجوع کریں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر وہ شخص جہنم سے نکال لیا جائے گا جس نے دنیا میں ”لا الہ الا اللہ“ پڑھا ہو گا، اور اس کے دل میں گیہوں کے برابر، یا رائی کے برابر[1]، یا ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو گا۔[2]

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے متعلق جو ارشاد فرمایا اس سے بھی ایمان کے کم و بیش یا چھوٹے اور بڑے ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

---

[1] کہا جاتا ہے کہ چار ذرے ایک رائی کے برابر ہوتے ہیں۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان و نقصانہ (۱/۹۶، ۹۷) و کتاب التوحید، باب کلام الرب یوم القیامہ (۱۳/۳۹۶) و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اہل الجنہ منزلہ فیہا (۱۹۳، ۳۲۵) نیز صحیح مسلم کی مذکورہ کتاب و باب میں (۱۹۳، ۳۲۶) یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن کہا جائے گا: ”انطلق فمن کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فاخرجه من النار“ جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لو۔

فصل ہفتم

امور غیب پر ایمان لانے کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی خبر دی ہے اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہوں تو ان پر ایمان لانا واجب ہے، خواہ ان باتوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو یا نہ دیکھا ہو، ان واقعات کے برحق اور سچے ہونے پر ہمارا یقین ہے، چاہے ہماری سمجھ میں وہ آئیں یا نہ آئیں، اور چاہے ہم ان کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکیں۔ مثلاً اسراء ومعراج کا واقعہ، جو حالت بیداری میں پیش آیا تھا اور قریش نے جس کو ناممکن سمجھ کر انکار کر دیا تھا، حالانکہ وہ خواب کے منکر نہ تھے۔ اسی طرح یہ واقعہ کہ ملک الموت جب موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایسا طمانچہ رسید کیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی، فرشتہ اللہ کے پاس واپس گیا تو اللہ نے اس کی آنکھ لوٹا دی۔ [1]

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب وفاۃ موسیٰ (۶/ ۳۱۵، ۳۱۶) میں، صحیح مسلم »

(۲-۲۳،۷ ۱۵۷) میں نیز مسند احمد ۲/ ۳۱۵، ۱۵۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے موقوف اور مرفوع دونوں طرح سے مروی ہے، علامہ شیخ احمد شاکر۔ رحمہ اللہ۔ "مسند" کے اندر حدیث (۷۶۳۴) کی تعلیق میں لکھتے ہیں کہ: اس حدیث کو ابن حبان نے "ذکر خبر شنع بہ علی منتحلی سنن المصطفیٰ ﷺ من حرم التوفیق لادراک معناہ" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، اور پھر اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بندوں کے لیے معلم بنا کر اور اپنی مراد کو بیان کرنے والا بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور اللہ کی آیات کو مجمل و مفصل ہر طریقہ سے بیان فرمایا، اور آپ کے صحابہ نے آپ کے پیغام اور بیان کو سمجھا۔ مذکورہ حدیث بھی ان احادیث میں سے ہے جن کا سمجھ میں آنا اہل حق کی استطاعت سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینے کے لیے یہ حکم دے کر ان کے پاس بھیجا کہ اب اپنے رب کے پاس چلئے، اس حکم سے حقیقت مقصود نہ تھی بلکہ صرف امتحان مطلوب تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لینے کے لیے انہیں بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تھا، اس حکم سے بھی حقیقت مقصود نہ تھی بلکہ صرف امتحان مطلوب تھا، چنانچہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو قربان کرنے کا عزم مصمم کر کے اسے پیشانی کے بل گرا دیا تو اللہ نے ایک بڑی قربانی (دنبہ) فدیہ میں دے کر بچہ کو بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو انبیاء علیہم السلام کے پاس ایسی شکلوں میں بھیجا جو ان کے نزدیک غیر معروف تھیں، مثلاً ملائکہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ انہیں پہچان نہ سکے اور ڈر گئے، جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوالات کئے اور ان کے واپس جانے کے بعد آپ کو پتہ چلا کہ یہ جبرئیل تھے۔ اسی طرح ملک الموت جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو اس شکل میں نہیں آئے جسے موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے، موسیٰ بڑے غیرتمند تھے، جب انہوں نے اپنے گھر میں اجنبی شخص کو دیکھا تو اسے طمانچہ رسید کر دیا، جس کے نتیجہ میں اس (فرشتہ) کی موجودہ شکل کے اعتبار سے آنکھ پھوٹ گئی، لیکن اس کی یہ فطری شکل نہ تھی۔

» ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں نبی اکرم ﷺ کی یہ صریح حدیث موجود ہے، آپ نے فرمایا: ''جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ مجھے نماز پڑھائی'' پھر اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ جبرئیل نے کہا'' یہ (نمازوں کے لیے) آپ کا وقت ہے اور آپ سے پیشتر انبیاء کا بھی''۔ اس حدیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ ہماری شریعت بعض امور میں سابقہ شریعتوں کے موافق ہو سکتی ہے۔ ہماری شریعت میں یہ بات شامل ہے کہ بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے والے یا جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے میں کوئی حرج یا گناہ نہیں، جیسا کہ اس بارے میں بے شمار احادیث مروی ہیں، جنہیں ہم نے اپنی مختلف کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ یہی بات موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی رہی ہو، یعنی بلا اجازت گھر میں گھسنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے کی اجازت رہی ہو، اور اسی کے مطابق موسیٰ نے اس اجنبی کی آنکھ پھوڑ دی ہو۔ پھر جب ملک الموت اللہ کے حضور واپس گئے اور موسیٰ کے ساتھ پیش آمدہ سارا ماجرا سنایا تو اللہ تعالیٰ نے دوسرا امتحان لینے کے لیے ملک الموت کو یہ حکم دے کر موسیٰ کے پاس بھیجا کہ ان سے کہو: اگر آپ ابھی زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیئے، ہاتھ کے نیچے جتنے بال ہوں گے ہر بال کے بدلے ایک سال کی مہلت ہوگی۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ تو ملک الموت ہیں جو اللہ کی طرف سے موت کا پیغام لے کر آئے ہیں، تو خوشی کے ساتھ اس پیغام کو قبول کر لیا اور کوئی مہلت نہیں مانگی، بلکہ کہا ابھی روح قبض کرو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ ہی یہ معلوم ہو گیا ہوتا کہ یہ ملک الموت ہیں تو ضرور ان کا رویہ وہی ہوتا جو دوسری مرتبہ معلوم ہو جانے پر تھا۔ (اس طرح یہ واقعہ عقل سلیم بڑی آسانی سے قبول کر لیتی ہے) برخلاف ان لوگوں کے جو اپنی ناقص عقل اور الٹی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ اصحاب حدیث کی مثال تو لکڑی ڈھونے والوں کی ہے، وہ رطب ویابس سب کچھ اکٹھا کر لیتے ہیں وہ روایتیں جمع کر لیتے ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں، وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن پر کوئی اجر وثواب نہیں، اور ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی خود اسلام ہی سے تردید ہوتی ہے ایسی بکواس کرنے والے احادیث و آثار کے علم سے بے بہرہ اور ان کے معانی سے قطعاً نابلد ہیں۔ دیکھئے فتح الباری ۶/۳۱۵ تا ۳۱۷۔

اسی طرح علامات قیامت پر ایمان لانا واجب ہے، مثلاً دجال کا ظاہر ہونا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اتر کر اس کو قتل کرنا[1] یاجوج وماجوج کا نکلنا، دابۃ الارض کا نمودار ہونا، آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، اور اسی قسم کی دیگر نشانیاں جو صحیح سند سے ثابت ہیں۔

ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ قبر کی نعمت و آسائش اور قبر کا عذاب برحق ہے، نبی ﷺ نے عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کی ہے، اور مسلمانوں کو بھی ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔[2]

اسی طرح قبر کا امتحان و آزمائش برحق ہے، منکر و نکیر کا سوال

---

[1] عیسیٰ بن مریم علیہا السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے جیسا کہ صحیح مسلم میں کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب ذکر الدجال (۲۹۳۷) کے تحت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: "فيطلبه حتى يدركه بباب لد فيقتله" عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ "باب لد" کے پاس پاکر اسے قتل کردیں گے۔

[2] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی تشہد میں بیٹھے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے، یوں دعا کرے "اللهم انی اعوذبك من عذاب جهنم ومن عذاب القبر ومن فتنة المحيا والممات ومن شرفتنة المسيح الدجال" اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب جہنم سے، عذاب قبر سے، زندگی و موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے، دیکھئے: صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب مایستعاذ منہ فی الصلاۃ (۵۸۸) وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول بعد التشہد (۹۸۳) وسنن نسائی، کتاب السہو، باب نوع آخر من التعوذ فی الصلاۃ (۳/۵۸)۔

کرنا برحق ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا بھی برحق ہے، جب اسرافیل علیہ السلام سور پھونکیں گے، ارشاد ہے:

﴿فَإِذَاهُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ﴾ (یٰس:۵۱)

''یعنی صور پھونکا جائے گا اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے''۔

قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں، برہنہ جسم، خالی ہاتھ اور غیر مختون حالت میں اٹھائے جائیں گے اور میدان محشر میں جمع ہوں گے، ہمارے نبی ﷺ حساب وکتاب شروع ہونے کے لیے اللہ سے سفارش کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کا محاسبہ فرمائے گا، کچہری لگے گی، میزان نصب کئے جائیں گے اور لوگوں کے عمل کے مطابق ان کے اعمال نامے ان کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں ملتے چلے جائیں گے۔

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ، فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا، وَيَنقَلِبُ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ مَسْرُورًا، وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ وَرَآءَ ظَهْرِهِۦ، فَسَوْفَ يَدْعُواْ ثُبُورًا، وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا﴾(الانشقاق:۷۔۱۲)

’’پھر جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا، اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔

میزان کے دو پلڑے ہیں اور درمیان میں ایک زبان (کانٹا) ہے، جس کے ذریعہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے۔

﴿فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ فِى جَهَنَّمَ خَـٰلِدُونَ﴾ (المؤمنون:۱۰۲، ۱۰۳)

’’پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے، اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے‘‘۔

ہماری نبی محمد ﷺ کو قیامت کے دن کے لیے ایک حوض عطا کیا گیا ہے جس کا پانی دودھ سے سفید اور شہد سے میٹھا ہے، اور ستاروں کی گنتی کے برابر اس میں آبخورے ہیں، جسے اس حوض سے ایک گھونٹ

پانی میسر ہو جائے گا اسے پھر کبھی پیاس نہ محسوس ہو گی۔[1]

اسی طرح پل صراط بھی برحق ہے، نیک لوگ اسے پار کر جائیں گے اور بدکار پھسل کر جہنم رسید ہو جائیں گے، رسول اللہ ﷺ اپنی امت میں سے اہل کبائر کے لیے شفاعت فرمائیں گے، چنانچہ اہل کبائر آگ میں جل کر کوئلہ ہو جانے کے بعد آپ کی سفارش کے بعد جہنم سے نکالے جائیں گے، اور پھر آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔[2] اسی طرح دیگر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض (۱۱/ ۴۰۹ تا ۴۱۲) اور صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا ﷺ و صفاتہ (۲۲۹۲) میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: "حوضي مسيرة شهر، ماؤه أبيض من اللبن وريحه أطيب من المسك وكيزنه كنجوم السماء، من شرب منه فلا يظما أبدا" میرے حوض کا رقبہ ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، خوشبو مشک سے بہتر اور آبخورے آسمان کے تاروں کے برابر ہیں، جو اس حوض سے پیئے گا اسے کبھی بھی پیاس محسوس نہیں ہو گی۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: "ماوه أشد بياضا من اللبن وأحلى من العسل" اس حوض کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

[2] شفاعت کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی ہیں، سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کے لیے ہو گی"۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

انبیاء مومنین اور ملائکہ کو بھی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ (الانبیاء:۲۸)

"اور وہ کسی کے لیے شفاعت نہیں کرتے سوائے اس کے جس کے حق میں شفاعت قبول کرنے پر اللہ راضی ہو، اور وہ خود اللہ کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں۔ کافر کے لیے کسی کی بھی شفاعت کارگر نہیں ہو گی۔

ہمارا اس پر بھی ایمان ہے کہ جنت اور جہنم اللہ کی دو مخلوق ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوں گی، جنت اللہ کے نیک بندوں کی آرام گاہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اور جہنم الہ کے دشمنوں اور نافرمانوں کا ٹھکانہ ہے۔

﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ، لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ﴾ (الزخرف:۷۴،۷۵)

"بیشک مجرمین ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے، کبھی ان

کے عذاب میں کمی نہ ہوگی، اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے۔

قیامت کے دن موت کو ایک چتکبڑے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اسے ذبح کردیا جائے گا، پھر یہ منادی کردی جائے گی کہ ”اے جنتیو! جنت میں ہمیشہ کی زندگی ہے، اب اس کے بعد موت نہیں، اے جہنمیو! جہنم میں ہمیشہ کی زندگی ہے، اب اس کے بعد موت نہیں“۔[۱]

---

[۱] دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ عزوجل ”وانذرھم یوم الحسرۃ“ (۸/۳۲۵) وصحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنۃ، باب النار یدخلھا الجبارون (۲۸۴۹) بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔

فصل ہشتم

متفرق اعتقادی مسائل کا بیان

ہمارا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ہیں، آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور نبوت کی شہادت دیئے بغیر کسی شخص کا ایمان درست نہیں ہو سکتا، قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے بعد ہی لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوگا، اور آپ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، لواء الحمد آپ کے دست مبارک میں ہوگا، آپ ہی مقام محمود اور حوض کوثر سے نوازے جائیں گے، آپ تمام نبیوں کے امام وخطیب ہوں گے اور ان کے لیے تبلیغ رسالت کی گواہی دیں گے، آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر اور آپ کے صحابہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اصحاب سے افضل ہیں، آپ کی امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں، پھر علی الترتیب عمر فاروق، عثمان ذوالنورین اور علی مرتضٰی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جیسا کہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہم اس طرح کہتے تھے: ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی اور آپ کو اس بات کی اطلاع ہوتی تھی لیکن آپ نکیر نہیں فرماتے تھے۔[1]

علی رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر، اور چاہوں تو تیسرے کا نام بھی بتادوں۔[2]

---

[1] اصل کتاب میں اسی طرح ہے: "ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی ...." ہیثمی نے بھی مجمع الزوائد (۵۸/۹) میں اسی طرح روایت کیا ہے اور معجم طبرانی کبیر، معجم طبرانی اوسط اور مسند ابو یعلی کا حوالہ دیا ہے، لیکن سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، باب فی التفضیل (۴٦۲۸) میں اور جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب ۵۸ (۳۷۰۷) میں یہ حدیث صرف لفظ "عثمان" تک مروی ہے (یعنی علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس میں نہیں ہے)، صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ (۱۴/۷) میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "**كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله ﷺ فنخير ابابكر ثم عمر ثم عثمان رضي الله عنهم**" رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہم لوگوں کا انتخاب کرتے تھے چنانچہ ابو بکر کو منتخب کرتے، پھر عمر کو، پھر عثمان کو۔ رضی اللہ عنہم۔

[2] اس روایت کو امام سیوطی نے "جامع کبیر" میں علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے "**خير هذه الامة بعد نبيها ابوبكر وعمر**" اس امت میں نبی کے بعد سب سے افضل ابو بکر اور عمر ہیں، سیوطی نے اس حدیث کے لیے تاریخ ابن عساکر کا حوالہ بھی دیا ہے اور اس کا موقف ہونا صحیح بتایا ہے، نیز سیوطی نے تاریخ حاکم کے حوالہ سے علی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے "**خير امتي بعدي ابوبكر وعمر**" میرے بعد »

نیز ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "انبیاء ورسل کے بعد ابو بکر سے افضل کوئی شخص نہیں جس پر سورج طلوع ہوا ہو یا غروب ہوا ہو"۔ [1]

نبی ﷺ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے، کیونکہ امت میں وہ سب سے افضل اور

» میری امت میں سب سے افضل ابو بکر وعمر ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل ابی بکر (۷/۲۶) کے تحت محمد بن الحنفیہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟ فرمایا: ابو بکر، میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: عمر، حالانکہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں عثمان کا نام نہ لے لیں، میں نے کہا عمر کے بعد پھر کون آپ ہیں؟ فرمایا: میں کیا ہوں، میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔ دارقطنی میں ابو جحیفہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: اگر چاہوں تو تمہیں عمر کے بعد سب سے افضل شخص کا نام بتادوں۔ میں نہیں جانتا کہ اپنا نام ذکر کرنے میں انہوں نے شرم محسوس کی یا حدیث میں مشغول ہو گئے۔

[1] اس حدیث کو ابو نعیم نے اپنی کتاب "الحلیہ" (۱۰/۳۰۱) میں روایت کیا ہے، البتہ اس کی سند میں اسماعیل بن یحیٰ تیمی ہیں جو کذاب ہیں۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۹/۴۳، ۴۴) میں اسی معنی کی ایک روایت جابر بن عبد اللہ سے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو درداء کو ابو بکر کے آگے آگے چلتے دیکھا تو فرمایا: "ابو درداء! تم اس شخص کے آگے چل رہے ہو کہ انبیاء کے بعد اس سے افضل شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا"؟ چنانچہ اس دن سے ابو درداء کبھی بھی ابو بکر کے آگے نہیں چلے ہیثمی نے دونوں روایتیں طبرانی کی جانب منسوب کی ہیں۔ پہلی روایت میں اسماعیل بن یحیٰ تیمی ہیں جو کذاب ہیں اور دوسری روایت میں بقیہ ہیں جو مدلس ہیں، دیکھئے: محبّ طبرانی کی کتاب "الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ" ابو بکر کی فضیلت کا بیان۔

سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں، نبی ﷺ نے نماز پڑھانے کے لیے اپنی زندگی میں انہی کو آگے بڑھایا تھا، نیز ان کو آگے بڑھانے اور ان کی خلافت پر بیعت کرنے پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا، اور اللہ تعالیٰ صحابہ کی مقدس جماعت کو ضلالت پر اکٹھا نہیں کر سکتا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلاف کے سب سے زیادہ حقدار عمر رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ خلیفۂ اول کے بعد صحابہ میں وہ سب سے افضل تھے، نیز خلیفۂ اول نے انہیں خلافت کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلاف کے سب سے زیادہ حقدار عثمان رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ خلیفۂ دوم کے بعد (وہ صحابہ میں سب سے افضل تھے نیز) مجلس شوریٰ نے انہی کو خلافت کے لیے منتخب کیا تھا۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار علی رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ خلیفۂ سوم کے بعد وہ صحابہ میں سب سے افضل تھے اور امت مسلمہ کا ان کے خلیفہ بنائے جانے کا

متفقہ فیصلہ تھا۔

یہی چاروں خلیفہ ہدایت یافتہ خلفائے راشدین ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"تم میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ، اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو"[1]

نیز فرمایا تھا:

"میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال تک رہے گی"۔[2]

چنانچہ خلیفۂ چہارم علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس حدیث میں مذکور خلافت کا آخری زمانہ تھا۔

صحابہ میں سے "عشرہ مبشرہ" کے جنتی ہونے کی ہم شہادت

---

[1] اس حدیث کی تخریج گذر چکی ہے، دیکھئے حاشیہ (۱۳)۔

[2] دیکھئے: مسند امام احمد ۵/ ۲۲۰، ۲۲۱)، وسنن ابی داؤد، کتاب السنہ، باب فی الخلفاء (۴۶۴۶، ۴۶۴۷) وجامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الخلافہ (۲۲۲۷) بروایت سفینہ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے، اس کو سعید بن جمہان سے ایک سے زائد لوگوں نے روایت کیا ہے اور اسے ہم سعید بن جمہان ہی کے واسطہ سے جانتے ہیں؟ اس باب میں عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: خلافت کے تعلق سے نبی ﷺ نے کوئی عہد نہیں لیا۔ میری رائے میں بھی مذکورہ حدیث حسن ہے۔

دیتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، فرمایا:

"ابو بکر جنت میں ہوں گے، عمر جنت میں ہوں گے، عثمان جنت میں ہوں گے، علی جنت میں ہوں گے، طلحہ جنت میں ہوں گے، زبیر جنت میں ہوں گے، سعد جنت میں ہوں گے، سعید جنت میں ہوں گے، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہوں گے، اور عبیدہ بن الجراح جنت میں ہوں گے" [1]

عشرہ مبشرہ کے علاوہ بھی جن صحابہ کے جنتی ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے ہم ان کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں، مثلاً حسن اور حسین کے بارے میں آپ نے فرمایا:

"یہ دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں"۔ [2]

---

[1] جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب احد العشرۃ المبشرین بالجنۃ (۳۷۴۸) بروایت عبدالرحمٰن بن عوف، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اسی طرح سعید بن زید کے واسطہ سے بھی نبی ﷺ سے مروی ہے، اور یہ پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے، سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث سعید بن زید ہی کے واسطہ سے مروی ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے۔

[2] جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین (۳۷۷۱)، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، میری رائے میں بھی یہ حدیث صحیح ہے۔

اسی طرح ثابت بن قیس کے بارے میں فرمایا:

"یہ جنتیوں میں سے ہیں"۔ [۱]

رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کے جنتی یا جہنمی ہونے کی خبر دی ہے ان کے علاوہ اہل قبلہ میں سے کسی بھی شخص پر ہم اس کے جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگاتے، بلکہ نیکوکاروں کے لیے اللہ کی رحمت کی امید رکھتے اور بروں کے لیے اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اہل قبلہ میں سے محض گناہ کی وجہ سے ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے، اور نہ ہی کسی عمل کے سبب اسے دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ حج اور جہاد کا حکم ہر امام کے ساتھ باقی ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا برا، اسی طرح ان کے پیچھے جمعہ کی نماز بھی درست ہے، انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[۱] دیکھئے: مسند امام احمد ۳/۱۳۷ و صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ (۶/۴۶۵، ۴۵۷) و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب مخافۃ المومن ان یحبط عملہ (۱۱۹)

"تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں: (پہلی بات یہ ہے کہ) کلمہ گو سے ہاتھ روک لیا جائے، کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ قرار دیا جائے، نہ ہی کسی عمل کے سبب اسے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے، اور (دوسری بات یہ ہے کہ) جب سے اللہ عزوجل نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس وقت سے لے کر جہاد کا فریضہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے قتال نہ کرلیں، کسی ظالم کا ظلم، یا کسی انصاف پرور کا انصاف اس فریضہ کو ختم نہیں کرسکتا، اور (تیسری بات یہ ہے کہ) تقدیر پر ایمان رکھا جائے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔[1]

سنت پر عمل کا تقاضا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت وعقیدت رکھی جائے، ان کے محاسن بیان کئے جائیں، ان کے لیے اللہ سے رحمت وبخشش کی دعا کی جائے، ان کی شان میں کوئی نازیبا بات نہ کہی جائے، اور ان کے مابین جو اختلافات ہوئے ان کے

---

[1] دیکھئے: سنن ابی داود، کتاب الجہاد، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور (۲۵۳۲) لیکن اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں یزید بن ابی نشبہ ہیں جو مجہول ہیں، ویسے اس حدیث کا معنی صحیح ہے۔

بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ساتھ ہی ان کے افضل امت ہونے کا اعتقاد رکھا جائے اور سبقت اسلام کی فضیلت کا اعتراف واقرار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَآءُوا مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَٰنِ وَلَا تَجْعَلْ فِى قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا﴾ (الحشر:۱۰)

"اور (مال فے ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ"۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں نرم"۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، تم میں کا کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے تو ان کے ایک مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا"۔ [۱]

سنت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جو تمام مومنوں کی ماں اور ہر عیب سے پاک و منزہ ہیں، ان کے لیے اللہ کی رضا و خوشنودی کی دعا کی جائے۔ رضی اللہ عنہن۔ ازواج مطہرات میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ صدیقہ ہیں، وہی عائشہ جن کی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے براءت نازل فرمائی، اور جو دنیا میں بھی رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور آخرت میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گی۔ قرآن مجید میں ان کے براءت نازل ہو جانے کے بعد اگر کوئی انہیں متہم کرے تو وہ کافر

---

[۱] حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غیر صحابی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس ثواب کو نہیں پہنچ سکتا جو صحابہ کے ایک مد یا نصف مد خرچ کرنے پر اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے اندر کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ "لو کنت متخذا خليلا" (۲۸،۲۷/۷) میں اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل الصحابۃ باب سب الصحابہ رضی اللہ عنہم (۲۵۴۱) کے تحت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہے۔ معاویہ تمام مومنوں کے ماموں [۱] کاتب وحی اور مسلم خلفاء میں سے ہیں، رضی اللہ عنہم۔

سنت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ائمہ اور حکام کی سمع وطاعت کی جائے، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے، بشرطیکہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ دیں، اللہ کی معصیت ونافرمانی کے لیے کسی کی بات نہیں تسلیم کی جائے گی۔

جو شخص مسلمانوں کا خلیفہ منتخب ہو گیا اور لوگوں نے بخوشی اسے تسلیم کر لیا، یا کوئی تلوار کے زور سے خلیفہ بن بیٹھا اور امیر المومنین کہلانے لگا تو اس کی اطاعت واجب ہو گئی، اب اس کی مخالفت کرنا یا اس کے خلاف بغاوت کرنا یا لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا جائز نہیں۔

---

[۱] معاویہ تمام مومنوں کے ماموں اس معنی میں ہیں کہ وہ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے بھائی تھے، ام حبیبہ کا نام رملہ بنت صخر بن حرب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا تو یہ اس وقت حبشہ میں تھیں اور نجاشی نے اپنی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا تھا۔ ام حبیبہ کی ۴۴ھ میں مدینہ میں وفات ہوئی۔ رضی اللہ عنہا۔ اسی اعتبار سے معاویہ مومنوں کے ماموں ہوئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''منہاج السنہ'' میں علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ امہات المومنین کے بھائیوں کو مومنوں کے ماموں کہا جائے گا یا نہیں۔

سنت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اہل بدعت سے اجتناب کیا جائے، ان سے مفارقت اختیار کی جائے، امور دین میں ان سے جدّل وجدال نہ کیا جائے، ان کی کتابیں نہ پڑھی جائیں اور ان کی گفتگو نہ سنی جائے۔ دین کے اندر ایجاد کیا گیا ہر نیا کام بدعت ہے، اور اسلام اور سنت کے علاوہ کسی اور نام کی طرف منسوب ہونے والا بدعتی ہے، مثلاً رافضہ، جہمیہ، خوارج، قدریہ، مرجئہ، معتزلہ، کرامیہ اور کلابیہ[1] وغیرہ۔ یہ سب کے سب گمراہ اور بدعتی فرقے ہیں، اللہ تعالیٰ ان

---

[1] رافضہ کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ابو بکر اور عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ سے اپنی براءت کا اعلان کر دیجئے تاکہ ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں، زید بن علی نے کہا کہ نہیں، بلکہ میں ان دونوں سے محبت و عقیدت رکھتا ہوں اور ان سے براءت ظاہر کرنے والوں سے اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا: ''اذا نرفضك'' پھر تو ہم آپ کو چھوڑ دیں گے، چنانچہ انہوں نے زید بن علی کو چھوڑ دیا اور ان کی حمایت سے دستبردار ہو گئے اور ''رافضہ'' (چھوڑ دینے والے) کہلائے۔

فرقہ جہمیہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے، اور یہی اصل فرقۂ جبریہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ازلی صفات کی نفی کرنے میں معتزلہ کے ساتھ ہیں، لیکن بعض دیگر صفات کا بھی انکار کیا ہے۔

خوارج وہ فرقہ ہے جو برسر اقتدار مسلم ائمہ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے، اس فرقہ کی ابتداء وہاں سے ہوئی ہے جب انہوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔

فرقہ قدریہ کو قدریہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرقہ بندوں کے افعال کو خود ان کی قدرت »

سب سے ہم کو بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔

البتہ فروعی مسائل میں کسی امام کی طرف نسبت کرنا، مثلاً چاروں فقہی مذاہب [۱] میں کسیؒ کی طرف منسوب ہونا تو یہ مذموم نہیں، کیونکہ فروعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے۔ [۲]

﴾ کی جانب منسوب کرتا ہے اور اللہ کی تقدیر کا انکار کرتا ہے، جس کے نتیجے میں غیر اللہ بندوں کے افعال کا خالق قرار پاتا ہے۔

مرجئہ کے کئی گروہ ہیں، ان میں سے ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان دہ نہیں، جس طرح کفر کے ساتھ کوئی اطاعت فائدہ بخش نہیں، اس جگہ مرجئہ کا یہی گروہ مراد ہے۔

معتزلہ وہ فرقہ ہے جو علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک فریق میں سے پیدا ہوا جس نے سیاست سے علیحدگی اختیار کی، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ واصل بن عطاء کی زیر قیادت اس فرقہ نے حسن بصری کی مجلس سے علیحدگی اختیار کی تھی اس لیے معتزلہ (علیحدگی اختیار کرنے والے) کہلائے، معتزلہ بے شمار باطل افکار وعقائد رکھتے ہیں۔

ابو عبداللہ محمد بن کرام کے پیروکاروں کو کرامیہ کہا جاتا ہے، یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کو ثابت مانتا ہے، لیکن اس طرح کہ اس سے اللہ کے لیے جسم ہونا اور مخلوق سے مشابہ ہونا لازم آتا ہے۔

فرقۂ کلابیہ عبداللہ بن سعید بن کلاب بصری کی طرف منسوب ہے، ابن کلاب بصری متکلمین میں سے تھا اور فرقۂ کلابیہ کا امام تھا، اس کے اور معتزلہ کے درمیان بڑے مناظرے ہوئے۔ معتزلہ کی طرح یہ فرقہ بھی بے شمار باطل عقائد وافکار رکھتا ہے۔

(۱) فقہی مذاہب سے یہاں چاروں مشہور مذہب حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی مراد ہیں۔

(۲) اس عبارت سے اختلاف کی تعریف کرنا مقصود نہیں، کیونکہ اتفاق بہر حال اختلاف سے ﴾

اور مجتہدین اختلاف میں بھی لائق تعریف ہیں۔ ۱؎ اور اجتہاد پر ثواب کے مستحق ہیں، کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف (اللہ کی طرف سے) وسیع رحمت ۲؎ اور ان کا اتفاق واجماع قطعی حجت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں بدعات وفتن سے بچائے، اسلام اور سنت پر زندہ رکھے، دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے والوں میں شامل فرمائے، اور مرنے کے بعد اپنے فضل وکرم سے انہیں کے زمرہ میں اٹھائے، آمین۔

اسی کے ساتھ ہی عقائد سلف کا بیان ختم ہوا۔

﴿والحمد لله وحده وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم تسليماً﴾

» بہتر ہے، بلکہ اس جگہ اختلاف کی مذمت کی نفی مراد ہے، کیونکہ ائمہ نے اجتہاد کیا اور پھر جو بات حق نظر آئی اسے اختیار کیا، بھلے ہی بعض حالات میں وہ اجتہاد کرنے میں حق تک نہ پہنچ سکے، لیکن ایسی صورت میں وہ قابل مواخذہ نہیں۔

۱؎ اختلاف میں لائق تعریف اس صورت ہیں جب اختلاف ان کے اجتہاد اور تلاش حق کی نیت سے پیدا ہو نہ کہ کسی عصبیت یا نفسانیت کی وجہ سے، کیونکہ ایسی صورت میں اختلاف سے بغض وعداوت اور افتراق وانتشار پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے برخلاف اصولی مسائل میں اختلاف کرنے کی صورت میں امت کے اندر افتراق وانتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

۲؎ اختلاف اس معنی میں وسیع رحمت ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کیا ہے۔